مفت سلسلہ اشاعت نمبر 72
سب ان سے جلنے والوں کے گل ہو گئے چراغ
احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی
امام احمد رضا
ایک شخص
ایک تحریک
علامہ سید ریاض حسین شاہ
جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان
نور مسجد کاغذی بازار، کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ ﷺ

نام کتاب	:	امام احمد رضا، ایک شخص ایک تحریک
مصنف	:	علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب
ضخامت	:	۳۲ صفحات
تعداد	:	۲۰۰۰
سن اشاعت	:	جون ۱۹۹۹

☆☆ ناشر ☆☆

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار کراچی

زیر نظر کتاب جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان کی جانب سے شائع ہونے والی ۲۷ویں کتاب ہے جو کہ جماعت اہلسنت پاکستان کے مرکزی ناظم اعلیٰ حضرت علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی کی تصنیف کردہ ہے ہم دل کی گہرائیوں سے حضرت کے مشکور ہیں کہ انہوں نے نہ صرف اس کتاب کی تصحیح میں ہماری مدد کی بلکہ ہمیں اس کتاب کی اشاعت کی اجازت بھی مرحمت فرمائی نیز اس کتاب کے آخر میں ہم محترم محمد شوکت قادری صاحب کا ایک پانچ صفحات پر مشتمل مضمون "امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ" بھی شامل اشاعت کر رہے ہیں امید ہے کہ ہماری دیگر مطبوعات کی طرح یہ کتاب بھی قارئین کرام کے علمی ذوق پر پورا اترے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعلیٰ حضرت کا منہاج انقلاب

انقلاب، انسانی زندگی کی معاشرتی ضرورت ہے ...... اور ہر دور، بذات خود اس امر کا متقاضی رہا ہے کہ ...... اس معاشرتی ضرورت کی تکمیل کے لیے ...... کچھ ذہن متحرک ہوں ...... تاکہ انسانی اعلیٰ قدریں ...... جو شجر کی طرح نامیاتی وجود رکھتی ہیں ...... کہیں سوکھ کر مر نہ جائیں ...... فطرت کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ ...... انسانوں کی روحانی اور مادی ترقی وارتقاء عروج اور معراج کے لیے ...... فعال روحانی الذہن لوگ ...... ہمہ دم اپنی بہترین صلاحیتوں کی روشنی میں کام کرتے رہیں ...... تاریخ کے رگ و پے میں خون کی طرح متحرک رہیں ...... حسن کے اس آسمان پر ان گنت ستارے درخشاں دکھائی دیتے ہیں ...... مسند فکر و نظر ...... ان نور مآب موتیوں سے مالا مال دکھائی دیتی ہے ...... وجود کائنات ...... اس آفاقی حقیقت کی خوشبو سے مہک رہا ہے ...... زمانہ خود جستجوئے انقلاب کے سر پر پھول نچھاور کر رہا ہے ...... وہ لوگ کتنے مقدس دکھائی دے رہے ہیں ...... جو سماج کے تیرہ و تار شب و روز سے فردوس کشید نے کی فکر میں ہیں ...... ان لوگوں کے عزم و ہمت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہوتا ہے کہ ...... وہ اپنے انقلابی کردار سے انسانیت کو عرفان ہستی عطا کرتے ہیں ...... ان کی زندگی اصول ہوتی ہے ...... ان کے اصول حسن ازل کی روشن کرنیں ہوتی ہیں ...... وہ جس بستی میں ہوں نور رحمت ہوتے ہیں ...... ان کا عمل اور ان کی سیرت دہلیز آدمیت پر نئے جہاں پیدا کرتی ہے ...... البتہ ایسے عظیم لوگ ...... پودوں کی طرح

نہیں اُگتے...... زمانہ خاک چھانتا ہے تو پھر کوئی در شہوار ہاتھ لگتا ہے...... نسیم
طلب کی آفاق پیمائیاں نجانے کتنے چکر کاٹتی ہیں تو پھر حسن منزل کے جلوے
دکھائی دیتے ہیں...... ہزاروں انسان آتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں...... زمانہ
انہیں تیوروں میں محفوظ کر لیتا ہے...... تاریخ ان کے نام کی مالا جپتی ہے...... دل
انہیں اپنی دھڑکنوں میں آباد کر لیتے ہیں...... روشنیاں انہیں مہر درخشاں بنا دیتی
ہیں...... ذہن ان کا ورد کرتے ہیں...... اور فطرت انہیں اتنا ابھار دیتی ہے کہ
زندگی اور موت ہر دو سے ماورا وجود و موجود اور حاضر و شہود کے ہر افق سے ان کا
حسن دیکھنے کے لیے جھانکا جاسکتا ہے...... مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی
رحمتہ اللہ علیہ بلاشبہ انہی عظیم انسانوں میں سے ایک جلیل القدر انسان تھے......
مولانا یوں تو مفسر بھی تھے اور...... محدث بھی...... مقنن بھی تھے اور مفتی بھی......
محقق بھی تھے اور ادیب بھی...... شاعر، خطیب، مورخ، نجانے قسام ازل نے
انہیں کن کن خوبیوں سے نوازا تھا...... لیکن اس دور میں جبکہ اب زندگی کی تمام
آسائشیں موجود ہیں...... لیکن انسان مسلسل کرب اور اضطراب کا شکار ہے......
فکری صلاحیتیں منتشر ہیں...... وثوق علم تک رسائی صبر اور مصابرہ ہر دو سے
محروم ہے...... اپنے آپ کو محفوظ بنانے کی حرص نے ہر ایک کو غیر محفوظ بنا دیا
ہے...... قیادتیں بہت ہیں لیکن قیادت کا فقدان ہے...... مفکرین ان گنت ہیں
لیکن فکر عنقا ہے...... علماء ریت کے ذروں کی طرح ہیں لیکن علم سدرۃ المنتہیٰ
سے بھی جیسے ماورئ جا چکا ہے...... ادعا اور دعوی جیسی ساری تاریکیاں اسی منحوس
بارود کے پھٹنے سے پھیلی ہوں...... لائبریریاں کتابوں سے بھری جا رہی ہیں لیکن

سکون کم ہوتا چلا جارہا ہے...... مادیت کا جنون، چڑیلیں بن کر انسانیت کو چمٹ چکا
ہے...... اگر یہ کچھ بجا ہے تو یقین جانئے یہ آج کسی کل کا نتیجہ ہے...... اور ہر آج
کسی کل کا بیٹا اور بیٹی ہوا کرتا ہے...... گزرے ہوئے کل اور آنے والے کل کو آج
سے صحیح طور پر مربوط کرنا ہی انقلاب ہوا کرتا ہے...... اگر کوئی شخص ان الفاظ کو
آج کے کسی جھرد کے میں محاصرانہ حسد کی آہ سرد تصور نہ کرے...... تو سوچ کر
بہت سوچ کر بیسویں صدی کے حوالے سے وقت کے دامن میں بڑی احتیاطیں
سجا کر لکھ دوں کہ امام انقلاب اور قائد انقلاب ایسے خوبصورت القاب برصغیر پاک
وہند کے اسی سپوت کو سزاوار ہیں...... جس کا نام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ
ہے...... امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ چودھویں صدی ہجری کے ایک بے
مثل عبقری تھے...... آپ کو تیرہ سال کی عمر میں فتوی نویسی کی ابتدا کرنے والے
نابغہ عظیم ہونے کا شرف بھی حاصل تھا...... ایک ہزار سے زائد کتابیں لکھنے کا اعزاز
بھی آپ رکھتے تھے...... ایک باعظمت اور باوقار خاندان سے تعلق کی سعادت
حاصل تھی...... دینی اور دنیوی علوم پر انہیں مکمل دسترس حاصل تھی...... طباع
اور ذہین شاعر ہونے کی شہرتیں بھی آپ کے حصے میں آئی تھیں...... زہد و اتقاء
کے رنگ بھی آپ کی آنکھوں نے دیکھے تھے...... عرفان و معرفت کی مے گلگلوں
نے بھی آپ کی حیات رحمت فروغ میں مستیاں بانٹی تھیں...... آپ کے مہم جو قلم
نے علوم وفنون کے ناقابل شکست ابواب کھولے تھے...... آپ کی زبان حق آگاہ
نے ان گنت ایوانوں میں لرزہ طاری کیا تھا...... آپ کی فکر رسا نے بحر بصارت سے
انمول موتی اکٹھے کیے تھے۔ دشت کائنات میں علوم و معارف کے تیز رفتار

وسائل احمد رضا کی سواریاں بن کر منزل حسن کو قریب سے قریب تر کرنے میں منہمک تھے...... احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ بہت کچھ تھے۔ ان کے حسن کی عظمتوں کا بیان نیرنگی اسلوب کے جدید پیکروں میں ڈھل سکتا ہے...... ان سے عقیدت رکھنے والا قلم بے تاب شوخیوں کے مہ پارے تاریخ کے اوراق میں بکھیر سکتا ہے ...... اور ان کی خوبیاں لکھنے والا مورخ فردوس حسن میں سنابل رحمت اگا سکتا ہے لیکن فی وقت دیکھنا یہ ہے کہ عالم احمد رضا...... فاضل احمد رضا...... محدث احمد رضا ...... مفسر احمد رضا...... نعت گو احمد رضا...... عارف احمد رضا...... فقیہہ احمد رضا ...... محقق احمد رضا...... مورخ احمد رضا...... کس چشمہ حیات سے فیض یاب ہو چکا تھا...... جس کی مستیوں نے اسے صاحب نگاہ انقلابی بنا دیا تھا' ایسا صاحب نگاہ جس کا سکوت تہور کلام بن گیا...... جس کی خانقاہیت اجتماعیت کا شیرازہ ثابت ہوئی جس کی پرصولت آواز سے تاریخ کے بہرے کان کھل گئے...... یاد رکھئے! احمد رضا، نبی نہیں تھے' رسول نہیں تھے' صحابی نہیں تھے' اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ جان کائنات ﷺ کے بعد کسی نبوت کے دعویدار کے منہ پر تھوکتے بھی نہیں تھے ...... لیکن اس کے باوجود ان پر افکار عالیہ کا نزول ہوتا تھا۔ انہوں نے خطرات کے سربستہ رازوں کو بے حجاب دیکھنے کا وسیلہ حاصل کر لیا تھا...... وہ شبنم کے قطروں میں مقدس آیات کے جلوے دیکھنے والا راہی بن چکے تھے ...... ان کی مہم جوئیوں نے وہ آئینہ حاصل کر لیا تھا جس میں ماضی اور مستقبل دونوں کو بیک وقت دیکھا جا سکتا ہو۔ ان کی محدود زندگی نے معرفت کا وہ مرحلہ طے کر لیا تھا...... جہاں رنگ بے رنگ' جانیں بے جان' زمان اور مکاں لامکاں دکھائی دیتے ہیں۔ عرفان

کی دہلیز سے احمد رضا نے اپنی گود میں رحمتوں کے وہ پھول چنے کہ مستانہ وار جھوم جھوم کر...... اپنے پیچھے آنے والوں کو آواز دی آنے والو......! بے حوصلہ نہ ہونا یہی صراط مستقیم ہے...... یہی منہاج حقیقت ہے...... اسی سے تسخیر کائنات کی جا سکتی ہے...... اسی سے دشت مسائل عبور کیا جا سکتا ہے...... اور پھر پیار سے اپنی مساعی حیات کا ظرف انسانیت کی جھولی میں انڈیل دیا...... احمد رضا نے کیا دیا اور تاریخ نے کیا دیکھا یہ اہم عنوان ہے جس پر بڑی دقت سے کام ہونا چاہیے...... امام شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ جس دور میں جی رہے تھے' اس دور کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ دماغ اور دل اور عمل کرنے والے اعضاء اپنے اصل وظیفہ حیات سے محروم ہو جانے کی بناء پر فاسد ہو چکے تھے...... اس دور کا منہاج انقلاب یہی ہو سکتا تھا کہ دل و دماغ اور قوائے عمل صحیح فکر' مناسب تعلیم' حقیقی عشق اور تقدیر بدل عمل کو منزل بنا کر اپنا رخ اس سمت موڑ دیتے بظاہر یہ تصور حسین اور لطیف ہے...... لیکن حقیقت میں جبکہ انگریزی دور حکومت نے عربی درسگاہوں کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا...... مسلمانوں کا اپنے ماضی کی تاریخ سے ارتباط کمزور پڑھ چکا تھا۔ جدید درسگاہوں میں اسلامی روایات کے خلاف طوفان بدتمیزی بپا تھا...... علماء کی ایک خاصی تعداد انگریز کی خوشامد کو اپنا ایمان بنا چکی تھی۔ اسلامی احکام پر ادیبوں کے لہجے معذرت خواہانہ بن چکے تھے...... اس دور کی صحافت ایک مخصوص دائرہ میں محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ ایسے میں احمد رضا ملت کے آنگن میں شبنم کی طرح اترے...... ان کی فکر بجلیوں کی طرح کوندی' ان کی سیرت نے دھنک کی طرح رنگ بانٹے' ان کا فیض ساون کی طرح برسا...... احمد رضا کا انقلابی

کام افلاطونی طرز پر تھا' نہ ہی ارسطوائی انداز میں ڈھلا تھا...... بلکہ یہ کہہ دیا جائے تو بے جانہ ہو گا کہ دنیا کے اکثر انقلابی اگر واپس دنیا میں آجائیں تو وہ اپنے کئے ہوئے کام سے توبہ کرلیں...... لیکن احمد رضا اگر دنیا میں واپس آجائیں تو وہ دیوانہ وار مستانہ وار اپنے ایک ایک کام...... ایک ایک بات بلکہ ہر اقدام کو مکرر بجالائیں اس لیے کہ انہوں نے جو کچھ سوچا تھا' جو کچھ دیا تھا وہ تلمیذ النفس بن کر نہیں دیا تھا بلکہ ان کی راتیں...... ان کے دن اور ان کی سیرت و کردار سب کچھ اس حسن میں ڈھلے تھے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا...... امام احمد رضا کا عقیدہ انقلاب سادہ سا ہے لیکن اسے تاریخی تسلسل کی نعمت حاصل ہے۔ احمد رضا کے وجدان و شعور میں یہ بات حر کی ہمت بن کر راسخ ہو چکی تھی کہ ...... ایمان کے بغیر ہر انقلاب بے جان اور بے روح رہتا ہے۔ احمد رضا کی زبان سے کروڑوں حروف صادر ہوئے...... احمد رضا کے قلم نے ہزاروں لفظوں کے نقوش نذر قرطاس کئے۔ ان کی زندگی میں لمحے اور گھڑیاں ستارے بن کر چمکے لیکن احمد رضا ایمان کو نہ بھول سکے...... ان کی انقلابی فکر' جغرافیاں مدو جزر اور نشیب و فراز کو خاطر میں نہیں لاتی بلکہ ان کا ایمان راستے تیار کرتا ہے...... منزلوں سے ہمکنار کرتا ہے' وطن عطا کرتا ہے' اقتدار کی چابیاں ہاتھ میں تھما دیتا ہے...... بڑی سادہ سی بات ہے کہ دریاؤں اور سمندروں میں غوطہ زنی کرنے والوں کے جسم پر میل نہیں رہ سکتی اور تلمیذ رسول کی فکر اور اس کا راستہ غلط نہیں ہو سکتا...... احمد رضا کا ایمان انہیں رسول اکرم ﷺ کے دہلیز نور پر رکھتا ہے۔ گویا وہ سلسبیل جنت کے کنارے بستے ہیں اسی لیے ان کا منہاج' منہاج حق...... ان کی منزل' منزل حسن...... ان کی راہ

راہ مستقیم...... اور ان کا مسلک، مسلک ربانی رہتا ہے...... احمد رضا چونکہ رب مصطفیٰ ﷺ کو مانتے ہیں اس لیے ان کی توحید بھی غلطی نہیں کھاتی...... ان کا الہ جہاں ایک رہتا ہے بے نیاز ہوتا ہے وہاں وہ جھوٹ نہیں بولتا' خلف وعیدہ سے منزہ رہتا ہے۔ بہت سے لوگ اس دنیا میں ایسے ہیں جن کا ایمان بڑا عجیب ہے...... وہ الہ کو الہ مانتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ کو رسول بھی مانتے ہیں لیکن ان کی زبان سے اگر چند دھیمے لفظ نکل جائیں اور ان کا قلم آوارہ ہو جائے اور ان کے خیال وادی نیت میں بھک جائیں تو بھی ان کا ایمان ایمان رہتا ہے...... لیکن احمد رضا گویا پل صراط سے گزر رہے ہوں اور جیسے پل صراط سے بھی وہ اکیلے گزر رہے ہوں...... اس لیے وہ جسے رب کہتے ہیں منزہ عن العیوب کہتے ہیں اور جسے رسول کہتے ہیں اسے معصوم عن الخطا کہتے ہیں۔ ان کا علم' ان کی صلاحیتیں' ان کی شاعری اور ان کا ادب' ان کا قلم اور ان کی زبان پھر اسی عقیدہ کے پرچار کے لیے وقف ہو جاتی ہے۔

احمد رضا کا ایمان اندر سے خالی نہیں...... وہ محض مابعد الطبیعات اور الٰہیات کی کتابوں کا انداز نہیں رکھتا۔ ان کے ہاں ایمان کا پیٹ محبت سے خالی ہو تو وہ ڈھول کی تھاپ اور سارنگی کی کیں کیں ہے...... احمد رضا کے نزدیک انقلاب کا جوہر حقیقی محبت اور عشق ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کارگاہ حیات کا نظم محبت سے ہے' محبت نہ ہو تو پھر کچھ بھی نہ ہو...... یہ رنگ تعمیر بھی ہے اور آہنگ معمار بھی۔ اگر حسن میں ناز اور جمال میں بانکپن ہے...... تو وہ بھی اس لیے کہ کوئی چاہے اور کوئی محبت کرے گویا پھولوں کی لطافت' روشنیوں کی چمک' چمنستانوں کی

آرائش، آسمانوں کی پہنائی سب کچھ محبت کا تڑپتا اظہار ہے...... ریاضت، سجدے، رکوع اور سعی و طواف سب محبت ہی کی بے تابیاں ہیں...... احمد رضا نے محبت کے اس جوہر انقلاب تک رسائی حاصل کر لی تھی اس لیے وہ محبت کرتے بھی تھے اور محبت کی دعوت بھی دیتے تھے۔ ان کی حدائق بخشش، ان کا فتاوی رضویہ، ان کے رسائل اور ان کی سینکڑوں کتابیں اس جذبہ صادقہ کو مہمیز لگاتی نظر آتی ہیں...... اس عشق کی پائیدار قدروں نے زندگی کو احمد رضا کے ہاں اتنا مقدس بنا دیا کہ عشق رسالت مآب ﷺ سے مزین زندگی رشک آیات نظر آتی ہیں...... احمد رضا رسالت مآب ﷺ کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلوار بھی دیکھتے ہیں لیکن اس سے کہیں زیادہ ان کی نگاہیں قلب پر رہتی ہیں...... وہ ایک ادائے رحمت سے کرم کا فن ملاحظہ کرتے رہتے ہیں اور یہ ادائے دلنواز انہیں اس کاروان نور میں لا کھڑا کرتی ہے...... جہاں امن اور پیار، حسن اور سلامتی کے قاسم عبدالقادر جیلانی، حسن بصری، جلال الدین سیوطی اور خواجہ غریب نواز کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔...... انقلاب کے وہ داعین جو انسانیت کے دائروں میں بارود، دھواں، کالک، وحشت، خون اور انسانی بوٹیاں تقسیم کر رہے ہیں...... کیا ان کے لیے احمد رضا کی محبت، عشق، لگن اور غلامی رسول ﷺ مشعل راہ ثابت نہیں ہوتی...... ؟

ممکن ہے احمد رضا سے بعض حلقوں کو شدت مزاجی کا شکوہ ہو...... لیکن انہیں جاننا چاہیے کہ کلمہ طیبہ بھی الا اللہ کے اثبات سے پہلے "لاالہ" کی نفی سے شروع ہوتا ہے...... نفرت، محبت کا دوسرا عکس ہوتی ہے جس کو محبوب کے دشمن سے دشمنی کرنی نہیں آتی...... وہ اپنی محبت ہی میں کھوٹا ہوا کرتا ہے...... احمد

رضا سچے تھے، کوئی حلقہ اگر ان کا قصور یہ سمجھتا ہے کہ وہ دودھ میں مکھیاں ڈالنے والوں کو طہارت کی سند کیوں نہیں دیتے...... آفتاب کے سامنے اپنے بدبودار ہاتھ رکھ کر اسے بے نوری کا الزام دینے والوں کو ماہ کامل کا لقب کیوں نہیں دیتے اور...... اپنی ناک سے گندگی گھسیٹنے والے کیڑوں کو رشک جگنو نہیں مانتے تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ...... احمد رضا کی مجبوری ہے کہ وہ سچے ہیں، ان سے ہو نہیں سکتا کہ وہ جھوٹوں کے بحر ظلمات میں اپنے آپ کو اٹھا پھینکیں...... تاریخ کو یہ کڑوا گھونٹ کسی وقت اپنے گلے سے اتارنا ہی پڑے گا کہ تسلیمہ نسرین اور رشدی سے محبت کا مطلب...... ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی المرتضٰی سے نفرت ہوا کرتی ہے...... احمد رضا بہت بیٹھے اور اونچے بندے تھے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے حضور گستاخی کرنے والوں کو کبھی قابل معافی تصور نہ فرمایا...... دین کا مسلمہ اصول ہے، کہ تکبر کرنے والے سے تکبر صدقہ ہوا کرتا ہے۔ الجھنے والوں سے نہ الجھنا یہ بزدلی ہوا کرتی ہے اور...... پھر خود سوچیے جو جان کائنات سے الجھے اسے دور جدید کا لیبرل ازم ممکن ہے معاف کر دے...... لیکن احمد رضا نے تو سرخ سامراج اور نہ سفید ظلمتوں، کسی سے ڈالر اور پونڈ نہیں لیے تھے...... اس مظلوم تاریخ کا جرم فقط اتنا تھا کہ اس کا یہ عقیدہ محکم تھا۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارہ ناں نہیں

ایمان و محبت کے بعد...... نبوی منہاج انقلاب کی دوسری بنیاد تعلیم اور علم ہے...... جتنا بڑا انقلابی ہوگا اس کا تعلق علم اور تعلیم سے اتنا ہی زیادہ گہرا

ہو گا...... قرآن مجید کا پہلا پیغام ...... "اقراء" اس راز سے پردہ ہٹا کر مسلمانوں میں ترویج علم کی طرح ڈالتا ہے...... یاد رکھیے علم ڈگریوں کا نام نہیں، علم وافر معلومات اکٹھی کر دینے کا نام نہیں وگرنہ کمپیوٹر کو سب سے بڑا فاضل ماننا پڑے گا...... علم صرف یادداشتیں محفوظ رکھنے کا نام بھی نہیں بلکہ سچی بات یہ ہے کہ سچا علم لائبریری اور مطالعہ ہر دو سے بے نیاز ہوتا ہے...... حقیقی علم کسی ایسی ذات کے سامنے اپنے آپ کو مشاہدہ کے لیے وقف کر دینا ہوتا ہے جہاں پائیدار کردار کی تدوین جنم دی جاتی ہو...... احمد رضا کو یہ نعمت میسر تھی آپ جانتے تھے کہ زندگی کا حسن بدلنا ہوتا ہے اور کتاب کا حسن نہ بدلنا ہوتا ہے...... ان دونوں میں اتصال کوئی ایسی ذات ہی پیدا کر سکتی ہے جس کے ہاتھ میں زندگی بھی ہو...... علم بھی ہو اور علم کا خزانہ بھی وہ رکھتا ہو...... احمد رضا علم میں اس لیے بہت آگے بڑھ گئے کہ ان کے علم کا استاد عشق رسول ﷺ ٹھہرا...... ان کی کتابوں میں نام محمد ﷺ کی روشنیوں نے...... انہیں وہ دوام عطا کر دیا ہے کہ وہ رہتی دنیا تک دعوت انقلاب دیتی رہیں گی۔

امام احمد رضا

ایک شخص۔ ایک تحریک۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احمد رضا بر صغیر پاک و ہند کے ان علماء میں سے ہیں...... جنہوں نے نہ صرف اپنے دور میں بلکہ زمان و مکان کی حدود و قیود سے ماورا ہو کر اسلامی زندگی کی ہمہ گیر روایات اور...... جدید دنیا کے جدید تقاضوں کے نظر افروز اور دلکش رنگ اور آہنگ کو سہارا دیا ہے...... بدلتی دنیا میں بدلتی اقدار کے سرعت ماب ماحول میں پرانے چراغ جلا کر تازہ روشنی مہیا کرنا اتنا آسان کام نہیں...... لیکن احمد رضا اپنی تخلیقات کے سہارے کم اور اپنے خلوص، جذبے، گداز، سچائی اور عشق کے آسرے زیادہ کٹھن سے کٹھن منزلوں کو بڑی جرأت اور بیباکی سے سر کر لیتے ہیں...... ان کا یہی ذوق نگاہ، شوق راہ، سفر عشق، محبوب کی راہوں میں مٹنے کا جذبہ، حقائق کا ادراک اور زندگی کا انمٹ شعور انہیں وہ خوشبو عطا کر دیتا ہے...... جس سے وہ وہاں تک جا پہنچتے ہیں جہاں شخصیتیں اور مشخصات نہیں پہنچتے بلکہ پاکیزہ روحیں، تابندہ افکار، بیدار دل، برق نظر دماغ اور بہار آفرین خیالات ہی رسائی حاصل کر سکتے ہیں...... ایک عالم دین سچائی کی اس لاہوتی پرواز کی حلاوتوں سے جس وقت بہرہ مند ہو جاتا ہے...... یہی اس کی معراج ہوتی ہے جہاں دریاؤں کی مچھلیاں، فضاؤں کی پیٹھ پر سوار ہو کر چہچہانے والے پرندے اور زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑے اس کے لیے دعا گو ہو جاتے ہیں...... احمد رضا عالم تھے، سچے

عالم، مقبول عالم، محبوب عالم...... احمد رضا عاشق تھے، سچے عاشق۔ نامدار عاشق، کامگار عاشق...... منزلوں کی سچائی اور سفر کی صداقت نے ان کو زندگی میں اس معراج کی مستیاں دے رکھی تھیں...... اس لیے وہ بر ملا کہتے تھے۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

علم شعر شعور...... وجد وجدان وجود' محنت سعی سوز اور ہنگامہ نشاط ساز سب کچھ ایک ہی مرکز کے مرہون منت ہیں اور وہ ہے زندگی...... اجر و ثواب' زجر و عتاب' قانون قوت اور مذہب کتاب سب اسی محور کے گرد اگرد گھومتے ہیں...... سوال یہ ہے کہ بذات خود زندگی کا سرمایہ کیا ہے...... اس کی ڈور کہاں سے ہلائی جاتی ہے...... سنگ صحراؤں میں اس کے بھنور کون متحرک کرتا ہے...... اس کے کاکل پیچاں میں خوشبوئیں بھرنے والا کون ہے...... اس کے ہاتھوں پر حنا بندی کا اہتمام کیسے ممکن ہے...... قوت' طاقت' تاج' تخت' دھن تن اس کے مظاہر ہیں اس کا حصہ نہیں...... خیال ہے یہ کنز مخفی کی تحریک "احببت" ہے...... یہ نسیم روح کی شامہ نواز خوشبو ہے...... یہ مشت خاک میں "فنفخت فیه من روحی" کی جلوہ گری ہے...... سب سے زیادہ زندگی کا سراغ وہ شخص لگاتا ہے جس کے بدن میں جوہر حیات محبت' گوہر حیات عشق' مایہ حیات وارفتگی اور نغمہ حیات پریت کا چراغاں زیادہ ہوتا ہے...... آئیے دیکھتے ہیں فطرت نے یہ نعمت کبریٰ "احمد رضا" کو کس مقدار میں دے رکھی تھی...... اس میں کیا شک ہے کہ احمد رضا کا سرمایہ دل و جان محبت تھی...... ان کی نگارشات' ان کے نغمے' ان کے فتاوی اور

ان کے گیت سب حرف محبت کی تفسیر اور خواب عشق کی تعبیر تھے...... وہ خود فرماتے ہیں۔

"ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے"

اور پھر ان کی آرزو ملاحظہ ہو......

یا الٰہی جب رضا خواب گراں سے سر اٹھائے
دولت بیدار عشق مصطفیٰ ﷺ کا ساتھ ہو

محبت جو بھی ہو اس کا سرچشمہ دل ہے...... البتہ اس کے رویئے متعدد ہیں...... اس کی اصل پاکیزہ ہے اور رنگ متنوع ہیں۔ اسے دیکھا جا سکتا ہے......' طبع بہ طبع اور دل بہ دل اسے پڑھا جا سکتا ہے...... پو بہ پو اور خو بہ خو اسے کریدا جا سکتا ہے...... نخ بہ نخ اور تار بہ تار انسانوں کی دنیا میں انسان مختلف اور محبتوں کی دنیا میں محبتیں، نوع بہ نوع' کوئی مکھیوں کی طرح نے و شکر کا متوالا' کوئی ماہ رخ محبوبوں کو "ظالمانہ محبت" کے تحفے دینے والا...... کہیں دولت کمائی جارہی ہے' کہیں ثروت لٹائی جارہی ہے...... کہیں عشق شاہی ہے اور کہیں شاہی عشق کی نعتیں ہنگامہ زن...... کہیں نشہ سیاست اور کہیں مستی وزارت گویا محبت کہیں نور ہے کہیں نار' کہیں زحمت ہے اور کہیں رحمت...... کبھی حریم ہوس میں ارادہ دولت اور کبھی حرم لطافت میں جلوہ یزداں' کبھی قطرہ شبنم میں صورت انجم اور کبھی قلزم موت میں آتش منصور...... کبھی سر بزم رسوائی کبھی پس حجاب معراج افزائی۔ کون سمجھے کون جانے جس تن لاگے سو تن جانے۔

صاحبو......! سو آؤ دیکھتے ہیں کچھ من جلے جن کی خاک لحد ابھر ابھر کر'

جن کی آتش عشق بھڑک بھڑک کر، جن کی سوزش نفس بھبک بھبک کر، نظر نظر، روش روش، گل گل، دل بہ دل، کو بہ کو، دربدر اور خانہ بہ خانہ فہم وذکا کے پھول نچھاور کر رہی ہے..... زندگی صرف مہر و ماہ تک رسائی ہی نہیں یہ صرف نیوٹن اور ایڈیسن کا نام ہی نہیں، یہ بلال بھی ہے، حسین بھی ہے، اویس بھی ہے، جامی و رومی بھی..... اسے حسن وضرزوق بھی کہتے ہیں اور یہ اقبال واحمد رضا بھی کہلاتی ہے..... بلا شبہ عشق و محبت کی تاریخ میں راہ محبت کا ہر راہی یاد رکھا جائے گا لیکن رومی و جامی اور احمد رضا کے نام آسمان محبت پر مہر و ماہ کی طرح چمکتے رہیں گے..... اس لیے بھی کہ وہ عاشق ہیں اور اس لیے بھی کہ وہ خادم عشق و محبت ہیں..... خصوصاً "احمد رضا جو محبت کرتا ہی نہیں محبت سکھاتا بھی ہے..... عشق رکھتا ہی نہیں عشق کا معلم بھی ہے، جلتا ہی نہیں راہ محبت میں جلنے کا روح گیر درس بھی دیتا ہے۔ احمد رضا تم کتنے خوبصورت لگتے ہو جب جان حسن وجمال کی دہلیز پر جھولی پھیلائے..... محض ان کے حسن کی خیرات مانگتے ہو۔

لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں، پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے
جنت نہ دیں نہ دیں تری رویت ہو خیر سے
اس گل کے آگے کس کو ہوس برگ و بر کی ہے
شربت نہ دیں نہ دیں تو کرے بات لطف سے
یہ شہد ہو تو پھر کسے پروا شکر کی ہے

احمد رضا تمہارے بخت پر کون ناز نہ کرے..... تمہارے جگر کی پیاس کو

شہ والا کی عطاؤں کے چھینٹے بجھاتے ہیں..... تمہارے لبوں کے ساتھ محبوب رب العالمین کے تلووں کا دھوون لگتے ہوئے دیکھ کر بادشاہ بھی رشک کرتے ہیں..... احمد رضا تمہارے محبوب حریر و پرنیاں پر چلنے کی بجائے خلد و فردوس اور لامکان و لازمان کی نور پوش وادیوں میں گامزن ہوتے ہیں..... تمہارے قلم پر قربان، تمہاری زبان پر فدا، تمہاری فکر پر تصدق، تمہارے آہنگ پر نثار، تم نے کتنے عظیم اور کتنے حسین محبوب کا انتخاب کیا ہے..... کہتے ہیں سورج کی روشنی بند کمروں میں داخل ہو جاتی ہے احمد رضا تم پابخلوت رہے..... خانہ بند زندگی بسر کی ہے لیکن یہ تمہارے محبوب کا اعجاز حسن ہے کہ وہ خلوت کو رشک جلوت اور ذروں کو رشک مہر و ماہ بنا دیتا ہے..... اب سمجھ پڑتی ہے کہ تاریخ کے ظالمانہ سلوک کے باوجود تم زندہ کیوں ہو..... تمہاری بریلی اتنی میٹھی کیوں ہے..... تمہارا نام اتنے احترام سے کیوں لیا جاتا ہے..... تم جس سمت آگئے ہو کیوں سکے بٹھا دیئے ہیں اس لیے کہ تم نے زندہ محبوب کا انتخاب کیا ہے..... قسم حسن وجمال کی کہ وہ، وہ ہے اس سے جو ملا، اس کا جو ہوا، اس سے جس نے نسبت جوڑی، اس نے حیات طیبہ کے بحر ناپیدہ کنار سے وہ آب حیات پی لیا کہ تاریخ کے بے مہر جھونکے اس کو نہ دبا سکے ہیں نہ مٹا سکے ہیں..... جس نے زندہ مثال دیکھنی ہو وہ بریلی کے احمد رضا کو دیکھ لے..... ایسا لگتا ہے وہ غنچہ بہ غنچہ، کو بہ کو، روبرو اور محفل بہ محفل، جہت بہ جہت، خانہ بہ خانہ اور مسجد بہ مسجد خود ہی روشنیوں کو لے کر خوشبوئیں چرا کر کسی کے روئے تاباں کا تصور کر کے لمحہ بہ لمحہ خود ہی پڑھ رہا ہے۔

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

کسی حسین شاہکار کو دیکھنے کے دو طریقے ہیں......ایک قریب ہو کر دیکھنا......اور خوب دیکھنا اور دوسرا ذرا فاصلے سے دیکھنا...... احمد رضا کو بھی دونوں طریقوں سے دیکھا جاسکتا ہے...... قریب سے بھی اور ذرا فاصلے سے بھی...... لیکن مشکل یہ ہے کہ احمد رضا کو قریب سے دیکھنے میں آنکھیں چندھیا جاتی ہیں...... اتنی روشنی' اتنا پیار' اتنی خوشبو' اتنی عطا' اتنی نوازشیں اور اتنا خلوص کہ دیکھنے والے کو اپنی تنگی داماں کا احساس شدت سے اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور...... شاید کچھ لوگوں کے لیے اس لیے بھی یہ مرحلہ تلخ ہو کہ احمد رضا کسی کو اس کا اپنا نہیں چھوڑتے وہ توڑ کر' مروڑ کر' چیر کر' پھاڑ کر ایک نئے نمونے کا' ایک نئی ڈھب کا انسان تیار کرتے ہیں......ایسا انسان جس کا کچھ بھی اپنا نہ ہو، سب کچھ وہ احمد رضا کے محبوب ﷺ کے ہاتھ بیچ دے اور پھر وہ جو چاہیں وہ وہی نظر آئے ......اگر کسی کو شک ہو تو وہ احمد رضا کے قرب میں بیٹھنے والے عبدالعلیم صدیقی کو' ضیاء الدین احمد مدنی کو دیکھ لے...... یہ کسی سنگ تراش کی صحبت میں نہیں بنے بلکہ عبدالمصطفی کے ذوق تربیت نے ان کو پالا ہے......

وہ دور ہوں تو بجا ترک دوستی کا خیال
وہ پاس ہوں تو کہاں اختیار اپنا ہے

احمد رضا کو ذرا فاصلے سے دیکھیں...... تو بھی ماننا پڑتا ہے کہ اگر وہ رب العالمین کے تائید اور فضل یافتہ نہ ہوتے تو...... تیرہ سو کتابیں، یادگار عشق و آگہی نہ رہتیں۔ پچاس سے زیادہ علوم و فنون کے نئے سے نئے دریچے وانہ فرماتے...... شعر و ادب میں معر کے بپانہ فرماتے...... تحریر و مناظرہ میں ان کے معاصران کے سامنے طفل مکتب دکھائی نہ دیتے...... تدریس و بیان میں حسن بصری و ماتریدی کی یادیں تازہ نہ ہوتیں۔ ذہانت و جودت کے سامنے دانش کدوں میں بیٹھنے والے...... اپنے چراغوں کو گل نہ کر دیتے۔

اس انتہائے قرب نے دھندلا دیا تجھے
کچھ دور جا کے دیکھ سکوں تیرا بانکپن

انسان جب بھی "انسان نو" کی تلاش میں نکلے گا' اذہان جب بھی "آدم نو" کا تصور ذہن میں سجائیں گے...... تصورات جب بھی "پیکر حسن" کی جستجو لے کر دماغ کے پردوں پر گھومیں گے اور "نقوش وفا" کو جب بھی کسی پائیدار "لوح قلب" کی ضرورت محسوس ہوگی اسے تاریخ انسانیت بڑے غور سے پڑھنی ہوگی اور...... یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ تاریخ آدم میں عظمت و خوبی اور کامیابی و کامرانی کبھی بھی کسی ریاکار' شہرت پسند' بدخو' تغافل شعار' تساہل پسند انسان کا مقدر نہیں بنی...... تاریخی عظمتیں مخلص' وفا شعار اور محنت پسند شخصیتوں کا زیور بنا کرتی ہیں۔ "احمد رضا" آغوش مادر سے لے کر مکتب پدر تک' عفت کم سنی سے لے کر شعور شباب تک اور تگ تعلیم سے لے کر تاز تدریس تک' افتاء تحقیق سے لے جنون ادراک تک' روح ایقان سے لے کر راحت ایمان تک اور ترفیق اخلاق سے لے کر صبر نظر تک......ایک مخلص' خدا پرست' محنت پسند اور اخلاق آفرین مفکر دکھائی دیتے ہیں...... آپ کا نام محبت اور اخلاص کا ایک خوبصورت استعارہ بن جاتا ہے۔ آپ کا سینہ ایک لازوال غم کے سرچشمہ کی حیثیت اختیار کر جاتا

ہے...... آپ کی زندگی کی اٹل روش' دوٹوک فیصلے ایک خاموش طوفان اٹھا دیتے ہیں جو دیکھتے ہی دیکھتے عالم انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے...... احمد رضا انیسویں صدی میں وہ حق کی آواز بن کر ابھرتے ہیں کہ باطل باطنوں کی تمام فسوں سازیاں دم توڑ جاتی ہیں پھر احمد رضا ملک سخن ہی میں نہیں، ملک خدا میں جس سمت بڑھتے ہیں سکے بٹھا دیتے ہیں...... کیوں نہ ہو احمد رضا جس سیڑھی پر چڑھ کر بلندیوں کی انتہا تک پہنچتے ہیں وہ انہیں اس سرکار ﷺ سے ملتی ہے جن کی رسائیاں اس مالک الملک تک ہیں جس کی قدرت میں ذرہ بھر شک نہیں۔

اتنا عجب بلندی جنت پہ کس لیے
دیکھا نہیں کہ بھیک یہ کس اونچے گھر کی ہے

یادیں بڑی عجب چیز ہیں...... نیند کی طرح یہ سولی پر بھی آجاتی ہیں۔ انہیں پکڑنا چاہو تو ہولے سے حریم ذہن سے اتر جاتی ہیں اور...... انہیں دفنانا چاہو تو زندہ پیکر بن کر کبھی باتیں کرتی ہیں...... کبھی ناز کی اور کبھی نیاز کی اور کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ یہ ظالم الجھ پڑتی ہیں' مار پٹائی دھینگا مشتی سے چمن راحت کو خرابہ ویران میں بدل دیتی ہیں۔ احمد رضا کا معاملہ بھی دوطرحی ہے وہ یاد بھی آتے ہیں اور کبھی ذہن سے اُتر بھی جاتے ہیں۔ کیا کیا جائے ذہن ہے یہ بھولتا بھی ہے اور یاد بھی رکھتا ہے...... یہ یاد رکھنے اور بھولنے کا عمل احمد رضا کے دوستوں اور دشمنوں سبھی کو میسر ہے...... اصل بات یہ ہے کہ "احمد رضا" کے دشمن وہ ہیں جو ان کے محبوب ﷺ کو پسند نہیں کرتے وہ جب حبیب کردگار کو سب وشتم کرتے ہیں "احمد رضا" انہیں بھاری سی باتیں سنا کر ان کے ذہن میں اپنی یاد تازہ کر لیتے

ہیں...... پھر وہ احمد رضا کو خوب کوستے ہیں اور احمد رضا بہت خوش ہوتے ہیں کہ چلوان کے محبوب کو یہ کچھ نہ کہیں' احمد رضا کو جتنی چاہیں گالیاں دے لیں۔

صاحبو......! گویا احمد رضا کے دشمنوں کے لیے بھی "احمد رضا" کو بھولنا دین کے حق میں بہتر نہ ہوگا...... رہا معاملہ دوستوں کا تو انہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کا احمد رضا کتنا عظیم تھا کہ اس نے انہیں اپنی یاد کا درس نہ دیا بلکہ اپنی ذات کو اپنے محبوب کے حرم میں اس قدر بے وقعت پیش کیا کہ...... ذہنوں پر احمد رضا کے محبوب ﷺ چھا گئے اور روحیں گنگنانے لگیں۔

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

یہ بات اگرچہ وزن رکھتی ہے کہ...... وسیع علم اور عمیق فکر سے بلند شخصیتیں اپنے اپنے زمانوں میں معاصر لوگوں کے درمیان اپنا تفرد قائم کرتی ہیں لیکن اس سے بھی زیادہ وزنی بات یہ ہے کہ حسین افکار اور سچے علم کو جب تک اظہار وابلاغ کا لبادہ میسر نہ آئے وہ بے پھل رہتے ہیں...... قرآن حکیم دراصل "سورہ رحمٰن" میں اسی بیان کو "حسن انسان" کا عنوان بنا کر پیش کرتا ہے۔ اظہار اور ابلاغ کے لیے زندہ خطبے' بلند آہنگ شعر اور خوبصورت تحریریں وسیلے کا کام دیتی ہیں...... احمد رضا اس وظیفہ حیات سے غافل نہیں تھے ان کی بعض مدون تقریریں اور محرابی خطبوں سے ان کی شان خطابت کا اندازہ ہو سکتا ہے...... وہ شخص جس کا ایک ایک فی البدیہہ خطبہ لازوال کتاب بن جائے' ایسی کتاب جس کے ایک حرف کو بھی احمد رضا کے دشمن مقدم اور موخر نہ کر سکیں...... دل میں

اس خیال کو ابھارتا ہے کہ "احمد رضا" کے دوستوں نے اس کے دور میں اس سے
وفا نہیں کی۔ معاف کیجیے......! یہ بہت ثقیل ضرب ہو گی اگر یہ کہہ دیا جائے کہ
ان کی کتابوں اور خطبوں کی نایافت "تاریخ علم" کے ساتھ نہایت قاہرانہ اور
ظالمانہ زیادتی ہے...... احمد رضا کی باتوں میں الفاظ کا در و بست بتاتا ہے کہ وہ
طبیعتوں میں کھب جانے کا انداز خوب جانتے تھے' اندازہ نہ ہو تو قرآن مجید کی
رضوی ترجمانی دیکھیے' ان کے محراثی خطبات پڑھیے'...... تاثر اور تاثیر کی گویا
آبشاریں گر رہی ہوں۔ طبیعت' دماغ اور دل جیسے انہیں کسی نے قدم لگا دیئے
ہوں۔

احمد رضا کے ابلاغ کا اصل میدان ان کی شعر گوئی اور نثری تحریریں
ہیں...... شعری مزاج سے اگر اتنی زیادہ واقفیت نہ بھی ہو تو موٹی سی بات ضرور کہی
جا سکتی ہے کہ شعر کہنے کے لیے بڑھاپے میں بھی جوانی کی ضرورت محسوس ہوتی
ہے۔ یہاں خواجہ میر درد بھی ہوں تو...... محبوباؤں کی شوخیوں اور محبوبیوں کو دیکھ
کر جنت فردوس کے مزے بھول جاتے ہیں...... اقبال کی تہہ در تہہ شاعری کے
عمیق فکری پردوں میں بھی بعض اوقات کوئی "عشوہ ناز" آ کر چھپ جاتی ہے......
بُرا نہ مانیے کبھی چور غلاف کعبہ میں بھی آ کر چھپ جاتے ہیں...... میں علامہ مشرقی
کی طرح شعر کو درماندگیوں کی وقتی تجسیم اور غفلتوں کے جہاں نما جام اور شہوات
ولذات کے پر ہنگام طبل قرار نہیں دیتا۔ تاہم پھر بھی یہ ضرور کہوں گا کہ شاعری
میں متنبی سے لے کر امراء القیس تک، غالب سے اقبال تک، حافظ سے سعدی
تک، وارث شاہ سے میاں صاحب تک...... سلمیٰ، سلیمہ، ربیعہ، لیلیٰ، طاہرہ،

قرۃ العین، سوہنی، بدر جمال اور شیریں کہیں نہ کہیں سے آ ٹپکتی ہیں لیکن...... احمد
رضا عجب شاعر ہے وہ بھی اور اس کا مکتب عشق بھی شعر و سخن کے لیے جوانی
ڈھونڈتے ہیں لیکن اس کا مطمع نظر کچھ اور ہوتا ہے۔

ثنائے سرور کونین میں اتنا اثر دیکھا
میری پیری زلیخا کی جوانی ہوتی جاتی ہے

یاد پڑتا ہے...... کبھی پنجاب کے کسی دیہات میں "قصیدہ غوثیہ" کا ایک
شعر پڑھا تھا ایک دیہاتی جھوم اٹھا اور کہنے لگا "شاہ جی چھوڑا یہہ شاعری نہیں کج
ہور ہی گل اے" صاحبو! احمد رضا کو پڑھ کر، ان کی مبصر شاعری کو دیکھ کر، ان کی
آہوں کراہوں کے ساز مضراب کو سن کر اور ان کے جذبوں کی ہبوط کو محسوس
کر کے دل کہتا ہے "شاہ جی چھوڑا یہہ شاعری نہیں کچھ ہور گل اے"۔

احمد رضا کی شاعری تقدس، طہارت، جذبوں، نیک ارادوں، تگ و تاز
اور عشق رسول کی ایک لازوال تاریخ ہے...... احوال امت مسلمہ کی یخ بستہ راتوں
اور مادہ زدہ دنوں کو احمد رضا عشق رسول کی انگیٹھی سے گرماتے رہیں گے...... احمد
رضا کی شاعری اب "لوح محفوظ" کی جھلک ہو کر تابندگی حاصل کر چکی ہے......
اس لیے کہ اس کے حرف حرف میں میٹھے نبی کے پیارے نام کی جگمگاتی روشنیاں
شامل ہو چکی ہیں۔ رہا معاملہ ان کی تحریروں کا' نگارشات کا اور تحقیقات انیقات کا تو
ناموس رسالت کے تخلیقی آہنگ نے انہیں بھی آسمانی سرمایہ بنا دیا ہے...... مولانا
روم نے اپنی ایک تمثیلی حکایت میں کہا تھا کہ مجنوں سے کسی نے پوچھا تم صحرا میں
کیا لکھ رہے ہو اس نے کہا تھا "نام لیلیٰ" کی مشق کر رہا ہوں...... احمد رضا کی

تحریریں کیا ہیں "نام محمد" کی ریاضت ہیں اسی ریاضت کی مستی نے احمد رضا کو
قلم دوات تھمادی اور پھر وہ تادم انتقال اسی ریاضت میں مشغول رہے...... مدح و
ستائش کی پروانہ ذم و تذمیم کی شکستگی...... بس محبوب کی نعتیں اور محبوب کی باتیں
لکھتے جارہے ہیں اور تاریخ محبت بنتی جارہی ہے۔

عصر حاضر میں جب کہ مادیت کا پیٹ پھیلتا جارہا ہے اور روحانیت کا سینہ
سکڑتا جارہا ہے، کیا حرج ہے "سکون دل" کی دولت کے نقطہ نظر سے بھی دیکھ لیا
جائے کہ علم والوں پر کیا گذرتی ہے، دولت دار کیا کررہے ہیں، محل سراؤں میں
بسنے والے اس رحمت خداداد سے کس قدر متلذذ ہورہے ہیں...... قلم دوات کی دنیا
میں رہنے والے "حروف رحمانی" کی کائنات سے اطمینان کے شہد سے کتنے
شیریں کام ہورہے ہیں...... خیال ہے یہ دولت انسان کے خارج سے نہیں داخل
سے ابھرتی ہے۔ اس کا معطی بلاواسطہ رب الجلیل ہے...... مطمئن ہمیشہ وہ شخص
ہوتا ہے جو اپنے دل کا ظرف وسیع کرلیتا ہے اور نور کی دہلیز پر حقیقتاً سائل بن جاتا
ہے۔ پھر نور کی سرکار اس کو اتنا عطا کردیتی ہیں کہ وہ حامل اطمینان ہی نہیں رہتا
بلکہ اطمینان آفرین بھی بن جاتا ہے...... احمد رضا کے احوال گو کہتے ہیں کہ بن
دیکھے سینکڑوں کتابوں کا حوالہ دے دیتے تھے...... آخری عمر میں دیکھا گیا کہ آپ
لائبریری سے بے نیاز رہتے۔ ان کی ساری زندگی ایک کمرے سے مسجد تک
گذری لیکن اس حسن ساز اور تاریخ آفریں سفر نے نجانے انہیں اتنا مطمئن کیوں
کردیا اور پھر یہ کہ اطمینان اور سکون کے بغیر بھی لکھا نہیں جاتا یقیناً اعلیٰ حضرت
فاضل بریلوی نے اپنے دل کو کشکول بنالیا تھا جو ہمہ دم جان کائنات ﷺ سے

حسن واطمینان کی خیرات لینے کے لیے تیار رہتا اور وہ بھی انہیں ایسا عطا فرماتے،
احمد رضا کو ان کی ہر نسبت کا احترام کرتے لیکن ان کے سوا وہ کسی کی پرواہی نہیں
کرتے۔ یہ شعر نہیں منشور حیات ہے، مطمئن زندگی کے آب حیات تک رسائی کا
وسیلہ ہے وقت ہو تو اسے ضرور پڑھیئے...... ضرور گنگنائیے اور اس مسلک کو ضرور
اپنائیے۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارہ ناں نہیں

اس وقت انسانیت کے اصل مسائل بھوک اور افلاس تو ہیں ہی حسد،
بغض، کینہ، جسم پرستی، نفرت، قتل اور دہشت گردی بھی ہیں...... "احمد رضا" کے
دل سے اگر یہ سبق سیکھ لیا جائے کہ نام محمد کا نقش سینہ بہ سینہ اور دل بہ دل اور
روح بہ روح مرتسم ہوجائے...... تو میں سمجھتا ہوں انسانوں کی بہت سے مشکلیں
آسان ہوجاتی ہیں۔ احمد رضا کا درس، احمد رضا کی فکر اور احمد رضا کا فلسفہ راحت بس
یہی ہے۔

ان کے در پر بیٹھئے بن کر فقیر
بے نواؤ فکر ثروت کیجئے
نعرہ کیجئے "یا رسول اللہ" کا
مفلسو سامان دولت کیجئے
اپنی اک میٹھی نظر کے شہد سے
چارہ زہر مصیبت کیجئے

احمد رضا کی دعوت محبت پر لبیک کہنے والوں کی اگرچہ آج ایک کثیر فوج موجود ہے...... لیکن احمد رضا کل اکیلا و تنہا تھا...... جب مدارس اور "دارالعلوم" مصلحت کیشوں کے چرنوں میں وفاؤں کی جبینیں رگڑ رہے تھے...... احمد رضا تنہا بد نسب حاکموں' اعداء الرسول اور ریاکار مبتدعین کے خلاف سینہ سپر تھا...... اس نے پیمان وفا صرف تہذیب مدینہ سے باندھا' اس نے دست رفاقت صرف حضور کے غلاموں کی طرف بڑھایا...... آج یہ اس کے خلوص کا ثمر ہے کہ رسولی نسبتوں کے خادمین نکہت فروز لفظوں سے احمد رضا کو تعظیم و توقیر کی سلامیاں دیتے ہیں اور...... تاریخ بذات خود سر فگندہ "بریلی" کی چوکھٹ پر کھڑے اپنی زیادتیوں پر معافی کی خواستگار دکھائی دے رہی ہے۔

ایک بات نہ بھولئے گا...... ہمارے دور میں جب گلی گلی فکری انتشار نے ملی وجود کو منتشر کر رکھا ہے۔ شخصیتیں بکھر چکی ہیں...... افکار صحیحہ کے چراغ گل ہو رہے ہیں' نظریاتی ادب موت کی سسکیوں میں مبتلا ہے' انسانی آبرو اور وقار "معصیت زدہ کلچر" کے نرغے میں گھر چکا ہے...... وی سی آر، ڈش فکشن اور ریاکارانہ تمدن نے عالی وقار بزرگوں کو بھی ہلا کر رکھ دیا ہے...... بت پرستیاں، جسم فروشیاں' "دعویٰ ہائے تجدید دین" کے نام پر دوں خیالات کا پرچار صالح فکر کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ احمد رضا کو غور سے دیکھو' وہ ریاکار نہ تھے' راہ حق کے مخلص اور وفا شعار خادم تھے...... بدعات اور رسوم باطلہ کے موید نہ تھے بلکہ تجدید سنت کے داعی تھے۔

آج گلی گلی مفکرین' خود ساختہ مجددین اور شہرت کے مارے قائدین اور جاہل مشائخ نے جو طوفان بد تمیزی اٹھا رکھا ہے...... احمد رضا کے غلاموں کا فرض ہے کہ وہ بابصیرت اور عشق رسول سے سرشار، رضویت کی جنگ ایسے بد حال لوگوں کے خلاف تیز تر کر دیں...... فتح ، بالآخر حق کی ہوتی ہے۔

آخر میں سلام کہتا ہوں ....

سلام لکھتا ہوں ....

احمد رضا کے نام ....

احمد رضا کے آفاق گیر کلام کے نام ....

کام کے نام ....

اور

نام کے نام ....

احمد رضا کائنات کی زندہ حقیقتیں تیرے محبوب اور تیرے عشق کا اعتراف ہیں۔

امام احمد رضا خان رحمتہ اللہ علیہ

تحریر: محمد شوکت قادری

(چیئرمین ادارہ فکر اسلامی)

ایک مرتبہ رمضان کا مقدس مہینہ سخت گرمیوں کے موسم میں آیا۔ ایسے سخت ترین گرمیوں کے موسم میں مسلمانوں کے لئے روزہ رکھنا یقیناً آزمائش سے کم نہ تھا۔ اسی دوران ہندوستان کے شہر بریلی میں ایک کم سن بچے نے بھی روزہ رکھ لیا۔ یہ بچے کا پہلا روزہ تھا۔ جیسے ہی دوپہر کا وقت ہوا اور گرمی اپنی انتہا کو پہنچی تو بچے کے چہرے پر گرمی اور شدت پیاس سے ہوائیاں اڑنے لگیں۔ بچے کی یہ حالت اس کے دادا سے نہ دیکھی گئی اور وہ اسے ایک کمرے میں لے گئے اور کمرے کے دروازے بند کر دیئے۔ کمرے میں اعلیٰ قسم کے ٹھنڈے مشروبات موجود تھے۔ دادا نے بچے سے کہا بیٹا کمرہ بالکل بند ہے یہاں نہ کوئی آسکتا ہے اور نہ ہی دیکھ سکتا ہے۔ ابھی تم بچے ہو تم پر روزہ فرض نہیں لہذا تم ٹھنڈا شربت پی لو۔ بچے نے اپنے دادا جان سے عرض کی اے دادا جان! بے شک دروازہ بند ہے یہاں کوئی نہیں آسکتا اور نہ ہی مجھے کوئی کھاتا پیتا دیکھ سکتا ہے مگر میں نے جس ذات والا صفات کے لئے روزہ رکھا ہے وہ رب تو مجھے دیکھ رہا ہے۔ دادا نے اپنے سعادت مند پوتے کا جواب سنا تو آبدیدہ ہو گئے اور اللہ کا شکر ادا کیا اور کہنے لگے جس بچے کو اس شدید گرمی اور پیاس کے غلبہ میں رمضان کی فرضیت کا اس قدر پاس ہو وہ بچہ بڑا ہو کر کبھی اللہ تعالیٰ کے عہد کو فراموش نہیں کرے گا۔

حکمت و دانائی اور فراست و ذہانت کی انمول باتیں کرنے والا یہ بچہ موجودہ صدی کا امام اور مجدد حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی تھے۔ جنہوں نے علم و عرفان کے نور سے ایک جہاں کو منور کر دیا۔ امام احمد رضا 10 شوال المعظم 1272ھ بمطابق 14 جون 1856ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام حضرت نقی علی خان تھا جو اپنے وقت کے جید عالم دین تھے۔ امام احمد رضا خان کے آباء و اجداد افغانستان کے شہر قندھار سے ہجرت کر کے

ہندوستان تشریف لائے۔ آپ پٹھان قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا قبیلہ پٹھانوں میں وہ معزز قبیلہ ہے جس قبیلے کے بارے میں حضور سرور کونین ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس قبیلے کے بانی اور مورث اعلیٰ صحابی رسول حضرت قیس عبد الرشید بن عیص کو قبول اسلام کے وقت یہ بشارت دی تھی کہ اس مرد جری سے میری امت کا ایک عظیم طائفہ پیدا ہوگا جو جرات اور شجاعت میں لاثانی اور دین اسلام کا بطان کہلائے گا۔ (دیکھئے کتاب تاریخ خورشید جہاں صفحہ 961)۔

حضرت امام احمد رضا خان نے تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ آپ بچپن ہی سے بہت ذہین اور خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔ آپ کی صلاحیتوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے صرف چار سال کی عمر میں قرآن پاک ناظرہ مکمل کر لیا۔ چھ سال کی عمر میں تین گھنٹے تک میلاد شریف کے موضوع پر تقریر فرمائی تیس (30) دن میں مکمل قرآن حفظ کر لیا اور چودہ سال کی عمر میں تمام علوم درسیہ مکمل کر لئے۔ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے باطنی علوم کی تکمیل قطب زمانہ حضور سید آل رسول صاحب مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی۔ جب شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام احمد رضا خان کو اپنا مرید کیا تو حاضرین مجلس سے فرمایا کہ اگر قیامت کے دن اللہ مجھ سے سوال کرے گا کہ اے آل رسول تو میرے لئے کیا لایا ہے تو میں اللہ کی بارگاہ میں احمد رضا کو پیش کر دوں گا۔

برصغیر پاک و ہند میں یوں تو بے شمار عالم و فاضل پیدا ہوئے جن کی جلالت اور عظمت کے نقوش اس دھرتی پر قیامت تک درخشندہ و تابندہ رہیں گے مگر حضرت امام احمد رضا کا تعلق ان چند فقید المثال ہستیوں میں ہوتا ہے جو علم و فضل زہد و تقویٰ اور دینی خدمات میں بام عروج پر پہنچے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جس کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت امام احمد رضا کو تقریباً پچپن علوم وفنون پر مکمل دسترس حاصل تھی اور آپ نے ان علوم پر ایک ہزار سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں جو آج بھی بھٹکی ہوئی انسانیت کو ہدایت کا درس دے رہی ہیں۔ حضرت امام احمد رضا خان کا ایک کمال یہ بھی ہے جس کی بناء پر آج اہل محبت

ان کا نام سن کر جھوم جاتے ہیں اور ان کے ذکر سے کیف و سرور حاصل کرتے ہیں کہ وہ خالق کائنات کی عظمت و جلالت کے مبلغ، ناموس رسالت کے پاسبان اور تعظیم صحابہ و عظمت اولیاء کے محافظ تھے۔

حضرت امام احمد رضا خان، کفار و مشرکین کے سخت خلاف تھے آپ چاہتے تھے کہ کفر اور اسلام کو اپنے اپنے دائروں میں رکھا جائے اور کفار و مشرکین، انگریز اور ہنود سے وہی سلوک روا رکھا جائے جس کا اسلام نے حکم دیا یعنی یہود نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ انگریزوں سے نفرت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ آپ جب کبھی کسی کو خط بھیجتے تو کارڈ اور لفافہ الٹا کر کے پتہ لکھتے تاکہ ملکہ وکٹوریہ، ایڈورڈ ہفتم اور جارج پنجم کا سر نیچے ہو جائے۔ آپ کی یہ دلی خواہش تھی کہ اسلام پھلتا پھولتا رہے اور مسلمان آزادی کے ساتھ اسلامی زندگی گزار سکیں۔ چنانچہ آپ نے پٹنہ سنی کانفرنس 1897ء میں دو قومی نظریہ پیش کیا جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہندو اور مسلم دو الگ الگ قومیں ہیں لہذا دونوں قوموں کے لئے الگ الگ وطن ہونا چاہیے۔ یہی وہ نظریہ تھا جس کی بناء پر پاکستان وجود میں آیا۔

مردان حق کا ابتداء ہی سے یہ دستور رہا ہے کہ وہ کسی صورت میں حق کی حمایت سے منہ نہیں موڑتے اگرچہ انہیں بڑے سے بڑا نقصان اٹھانا پڑے۔ حضرت امام احمد رضا خان بھی اسی اصول پر قائم رہے اور ہمیشہ حق کا پرچار کرتے رہے۔ آپ ہرگز اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ کوئی خوش ہوتا ہے یا ناراض۔ آپ نے سچائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ انگریز دور حکومت اور تیرہویں صدی کے آخر میں سرزمین ہندوستان کی پوری فضا اسلام کے خلاف تند و تیز آندھیوں کے سبب غبار آلود ہو چکی تھی ہر طرف بے دینی، گمراہی اور فتنہ انگیزیاں پھیل رہی تھیں اور سیدھے سادھے مسلمان گمراہ اور بے دین فرقوں کے دام فریب میں بڑی تیزی سے آرہے تھے کہ اس تاریک اور مایوس کن دور میں حضرت امام احمد رضا خان اٹھے اور اپنے قلم کا استعمال کیا جو دشمنان اسلام پر قہر خداوندی بن کر گرا جس نے اس دور کی گھٹاٹوپ تاریکی میں حق کا چراغ روشن کر دیا اس طرح آپ نے فریضہ حق گوئی باکمال حسن و خوبی ادا کر کے کروڑوں مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کا سامان مہیا کر

دیا۔

آپ سچے عاشق رسول تھے آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا اگر میرے دل کے دو ٹکڑے کردیئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لا اله الا الله اور دوسرے پر محمد رسول اللّٰہ لکھا ہوگا۔ حضرت امام احمد رضا خان برصغیر پاک و ہند کے وہ جلیل القدر عالم تھے کہ جنہوں نے دین متین کی ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ آپ نے تن تنہا وہ کام کر دکھایا جسے علماء کے کئی ادارے بھی مل کر انجام نہیں دے سکتے۔ آپ جہاں ایک عظیم اسکالر، عظیم مفکر، عظیم مصلح اور باکمال مصنف تھے وہیں سچے عاشق رسول بھی تھے آپ کا سینہ عشق رسول ﷺ کا گنجینہ تھا۔ آپ نے اپنی زندگی کا سارا سرمایہ محبت رسول ﷺ پر قربان کر دیا۔ پرچم رسالت کو بلند کرنے کے لئے زندگی بھر گستاخان رسول کا منہ توڑ جواب دیتے رہے ہر لمحہ، ہر گھڑی عشق نبی ﷺ میں مست رہا کرتے ان کی پیشانی سے الفت رسول ﷺ کے شرارے پھوٹتے۔

آپ صاحب کرامت ولی کامل بھی تھے۔ ایک مرتبہ آپ بذریعہ ریل گاڑی پیلی بھیت سے بریلی جارہے تھے۔ ٹرین نواب گنج کے اسٹیشن پر دو منٹ کے لئے رکی اسی دوران نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔ آپ اپنے احباب کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لئے پلیٹ فارم پر تشریف لائے۔ احباب پریشان تھے کہ ٹرین چلی جائے گی آپ نے جواب دیا ریل ہمیں لے کر ہی جائے گی۔ چنانچہ اطمینان سے اذان دی گئی اور بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ آپ نے جماعت کی امامت فرمائی۔ ادھر جماعت شروع ہوئی ادھر ڈرائیور نے انجن چلایا لیکن وہ ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکا۔ ڈرائیور نے انجن کو دیکھا اور پیچھے کی طرف چلایا تو انجن چل دیا لیکن جب آگے چلانے کی کوشش کی تو انجن پھر پہلی جگہ پر آکر رک گیا انجن آگے جانے کا نام نہیں لیتا تھا کہ اتنے میں ایک آواز بلند ہوئی کہ وہ دیکھو ایک مرد خدا نماز ادا کر رہا ہے اس کی وجہ سے ریل گاڑی آگے نہیں چلتی۔ چنانچہ لوگ آپ کے اردگرد جمع ہو گئے۔ انگریز گارڈ جو دور کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھے بڑے ادب کے ساتھ آپ کے قریب آیا اور بیٹھ گیا۔ جونہی آپ نماز سے فارغ ہو کر ریل میں سوار ہوئے تو ریل چل پڑی۔ انگریز گارڈ پر آپ کی اس کرامت

کا ایسا اثر ہوا کہ اپنے بیوی بچوں سمیت بریلی آیا اور آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔

دنیائے اسلام کا یہ ماہ کامل 25 صفر بمطابق 28 اکتوبر 1921 کو جمعۃ المبارک کے دن عین نماز جمعہ کے دوران جب موذن نے حی علی الفلاح پکارا ادھر آپ کی زبان سے کلمہ طیبہ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ جاری ہوا۔ اچانک چہرہ پر ایک نورانی چمک اٹھی اور حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور یہ ماہ کامل نگاہ ظاہری سے ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔

25 صفر کو جب حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتقال ہوا تو اسی دن بیت المقدس کے ایک شامی بزرگ نے ایک خواب دیکھا کہ حضور سید عالم ﷺ جلوہ فرما ہیں۔ صحابہ کرام آپ کے ہمراہ ہیں لیکن اس محفل میں خاموشی چھائی ہوئی ہے یوں لگتا ہے کہ گویا کسی کا انتظار ہو رہا ہے۔ شامی بزرگ بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کرتے ہیں میرے ماں باپ آپ پر قربان کس کا انتظار ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ احمد رضا کا انتظار ہے۔ شامی بزرگ نے عرض کی، احمد رضا کون ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ خواب سے بیداری کے بعد انہوں نے پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ امام احمد رضا ہندوستان کے جلیل القدر عالم ہیں چنانچہ وہ ملاقات کے لئے بیت المقدس سے بریلی روانہ ہوئے جب بریلی پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس عاشق رسول ﷺ کا اسی روز وصال ہو چکا ہے جس روز انہوں نے خواب میں حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا "ہمیں احمد رضا کا انتظار ہے"۔

آپ کا مزار بریلی شریف میں ہے۔ ہر سال 25 صفر کو دنیا بھر کے مسلمان امام احمد رضا کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے یوم رضا مناتے ہیں۔ افغانستان کے شہر قندھار کے اس عظیم پٹھان فرزند پر عالم اسلام جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ رب کائنات تمام عالم اسلام کے دل میں حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی محبت عطا فرمائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پیغام اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ

پیارے بھائیو! تم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑیں ہو بھیڑیئے تمہارے چاروں طرف ہیں یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکادیں تمہیں فتنے میں ڈال دیں تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں ان سے بچو اور دور بھاگو ،دیوبندی ہوئے ،رافضی ہوئے ،نیچری ہوئے ،قادیانی ہوئے ،چکڑالوی ہوئے ،غرض کتنے ہی فتنے ہوئے اور ان سب سے نئے گاندھوی ہوئے جنہوں نے ان سب کو اپنے اندر لے لیا یہ سب بھیڑیئے ہیں تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں ان کے حملوں سے اپنا ایمان بچاؤ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رب العزت جل جلالہ کے نور ہیں حضور سے صحابہ روشن ہوئے ،ان سے تابعین روشن ہوئے ،تابعین سے تبع تابعین روشن ہوئے ،ان سے آئمہ مجتہدین روشن ہوئے ان سے ہم روشن ہوئے اب ہم تم سے کہتے ہیں یہ نور ہم سے لے لو ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ تم ہم سے روشن ہو وہ نور یہ ہے کہ اللہ ورسول کی سچی محبت ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت جس سے خدا اور سول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو ،اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔

(وصایا شریف ص ۱۳ از مولانا حسنین رضا)